دیہی معیشت پر عُشر کے اثرات

جناب ملک خدا بخش صاحب بچہ سابق مرکزی وزیر زراعت مغربی پاکستان

حکومت پاکستان نے یہ اعلان کیا ہے کہ موجودہ فصل ربیع ۸۳-۱۹۸۲ء سے عُشر کا قانون نافذ ہو جائے گا یعنی اِس فصل سے زرعی پیداوار پر عُشر واجب الادا ہوگا۔ اور ہر مالک زمین کو اپنی پیداوار پر بعد منہائی پیداواری اخراجات پانچ فیصد عُشر ادا کرنا پڑے گا۔ پیداواری اخراجات کل پیداوار کا چوتھا حصّہ ہونگے اور ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی اراضی کی پیداوار کے اخراجات چوتھائی کی بجائے تہائی منہا ہوں گے۔ البتہ حسب ذیل مالکان اراضی عُشر کی لازمی وصولی سے مستثنیٰ ہوں گے:

الف۔ غیر مسلم مالکان

ب۔ وہ مسلم مالکان جو اس امر کا حلفی بیان پیش کریں کہ اپنی فقہ کی رو سے عُشر کی ادائیگی بموجب قانون عُشر و زکوٰۃ ۱۹۸۰ء کے لئے مستوجب نہیں ہیں۔

ج۔ وہ مسلم مالکان جن کی پیداوار ۵ وِسق (یعنی ۹۴۸ کیلوگرام) گندم سے کم ہو۔ یا اُس کی مجموعی پیداوار کی قیمت ۹۴۸ کیلوگرام گندم کی قیمت سے کم ہو۔

۱۔ باقی مالکان زمین سے پیداوار پر بموجب شرح بالا عُشر لازمی وصول کیا جائیگا البتہ مسلم مزارعین سے اُن کے حصّہ پیداوار پر عُشر لازمی وصول نہیں ہوگا ایسے مزارعین سے یہ توقع کی جا رہی ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر عُشر ادا کریں گے تاکہ وہ شرعی تقاضے پورے کر سکیں۔

۲۔ عُشر کے قانون کے نفاذ کے بعد مالیہ اور حبوب اُن اراضی سے وصول نہیں ہوں گے، جن کی پیداوار سے لازمی طور پر عُشر وصول ہوگا۔ سال رواں میں صوبائی بجٹ کے مطابق تمام صوبوں سے کل رقم بطور مالیہ مبلغ ۲۴ کروڑ روپیہ وصول ہونے کا تخمینہ ہے۔ اور صدر پاکستان کے اعلان کے مطابق عُشر سے سالانہ تقریباً ۷۰ کروڑ کی وصولی کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ یعنی عُشر سے جو رقم وصول ہوگی وہ موجودہ مالیہ اور حبوب کی آمدنی سے تین گنا ہوگی۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے مالکان اراضی جو مالیہ کی ادائیگی سے اب تک مستثنیٰ تھے۔ اُن سے عُشر وصول ہوگا۔

۳۔ بعض ماہرین کے اندازہ کے مطابق مختلف اجناس سے بموجب پیداوار حسب ذیل رقم فی ایکڑ اوسطاً وصول ہوا کرے گی:

فصل	روپوں میں
گندم	۴۸/۷۵
مکئی	۷۵/۶۰
باسمتی چاول	۵۴/
کپاس	۶۵/۲۶
گنا	۱۱۸/۷۵
آلو	۱۸۰/۰۰

مگر حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اوسط پیداوار اور اوسط قیمت لگاتے وقت بڑی احتیاط اور ذمہ داری سے کام لیا جائے تاکہ اوسط کی بناء پر کسی پر زیادہ بوجھ نہ پڑ جائے۔ لہٰذا قواعد قانون عُشر و زکوٰۃ ۱۹۸۰ء کی رُو سے اوسط کم اور

قیمت بھی کم لگائے جانے کے احکامات صادر ہوئے ہیں۔

۴۔ ابھی یہ اندازہ لگانا تو مشکل ہے کہ عُشر سے کتنی آمدنی ہوگی البتہ جو تخمینے صدر پاکستان یا وزیر اوقاف پنجاب کو بہم پہنچائے گئے ہیں، اُس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عُشر کی آمدنی کئی سو کروڑ روپوں پر مشتمل ہوگی۔ اور یہ رقم غربا، مساکین، معذورین، بیوگان اور یتامیٰ کی جائز ضروریات سے بہت زیادہ ہوگی۔ اور جن مدات پر قانون زکوٰۃ و عُشر نے بالوضاحت عُشر کی رقم کو خرچ کرنے کا ذکر کیا ہے، اُس پر عشر اور زکوٰۃ کی ساری رقوم شاید خرچ نہ ہو سکیں۔ لہٰذا کافی رقم فاضل رہے گی۔

۵۔ عُشر کی رقوم سے دیہاتی غرباء اور مستحقین کی جائز ضروریات تو انشاء اللہ کما حقہٗ پوری ہو سکیں گی۔ اور انہیں معاشی بحالی کے مواقع میسر آ جائیں گے جس کا دیہی معیشت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔ اس سے قبل بھی دیہاتی معاشرہ بالعموم غرباء اور مساکین کی کفالت کم و بیش کرتا رہتا ہے مگر اب نظام زکوٰۃ و عشر سے یہ کفالت یا بحالی اسلامی نوعیت کی ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں غریب اور آسودہ حال لوگوں میں ایک ایسا رشتہ اور تعلق قائم ہو جائے گا۔ جو دیہاتی معاشرہ کے لئے مفید اور خوشگوار ہوگا۔ اور اس اسلامی اقدام سے غربت کا خاتمہ بھی کیا جا سکے گا۔ اور اسلامی اخوت بحال ہوگی۔

۶۔ آج کل یہ سوال علماء اور حکومت کے زیر غور معلوم ہوتا ہے کہ عشر کی رقومات کن مقاصد کے لئے خرچ کی جا سکتی ہے یہ مسئلہ خاصا مشکل ہے اور ابھی تک حکومت نے کوئی واضح اعلان ماسوائے امداد و بحالی مستحقین کے نہیں کیا۔ شریعت نے مصارف زکوٰۃ و عُشر کی حدود متقرر کر دی ہیں جیسا کہ سورۃ توبہ

سے واضح ہے:

"زکوٰۃ تو حق ہے۔ غریبوں کا، مسکینوں کا اور اس کا کام کرنے والوں کا۔ اور ان کا جن کا دل اسلام کی طرف) پر چانا ہے۔ اور گردن چھڑانے میں، اور جو خدا کی راہ میں مسافر ہیں۔ یہ حصے خدا کی طرف سے ٹھہرائے ہوئے ہیں۔"

ان ہشت گانہ مصارف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کی رقوم فقرا، مساکین، عاملین، غلاموں، مقروضین، مسافروں اور راہِ خدا پر خرچ کی جا سکتی ہیں۔ قانون زکوٰۃ و عشر کے قواعد کے مطابق تو قرض حسنہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ ہی مقروضین کی امداد پر خرچ کرنے کی کوئی واضح اجازت ہے۔ نہ ہی راہ خدا یعنی فی سبیل اللہ کی واضح تشریح قانون یا قواعد میسّر کرتے ہیں۔ حال ہی میں مرکزی زکوٰۃ کونسل نے ایک سوالنامہ کے ذریعہ فی سبیل اللہ کی تشریح بامعنی و مقصد کے متعلق علمائے کرام کی رائے طلب کی تھی۔ مگر ابھی تک اس کے متعلق کوئی سرکاری وضاحت میری نظر سے نہیں گذری۔

۷۔ دراصل "فی سبیل اللہ" کے متعلق قدیم اور جدید علماء میں اختلاف رہا ہے سبیل کے لغوی معنی راہ کے ہیں۔ علامہ ابن اثیر کا ارشاد ہے کہ "سبیل" اصل میں راہ کو کہتے ہیں۔ جس کا اطلاق ہر اس عمل خالص پر ہوتا ہے جس سے تقرّب الٰہی مقصود ہو۔ لیکن جب یہ لفظ مطلقاً استعمال کیا جائے تو اکثر اس کا اطلاق جہاد پر ہوتا ہے۔ چنانچہ کثرت استعمال سے یہ لفظ گویا جہاد کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ چاروں مسلکوں میں یہ اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ سبیل اللہ کے مفہوم میں جہاد قطعی طور پر شامل ہے۔ اور جہاد کرنے والے اشخاص پر زکوٰۃ میں سے خرچ کرنا جائز ہے۔ مگر قدیم اور جدید علماء میں ایسے علما بھی ہیں۔ جن کے نزدیک سبیل اللہ

مفہوم نہایت وسیع ہے اور وہ اسے جہاد اور اس کے متعلقات تک محدود
نہیں رکھتے۔ یہاں پر چند ارشادات کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

الف: امام رازیؒ فرماتے ہیں:

" فی سبیل اللہ کے الفاظ سے لازم نہیں آتا کہ اس سے مراد صرف غازی ہوں۔ چنانچہ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر قسم کے خیر کے کام مثلاً مُردوں کی تکفین، قلعوں کی تعمیر مسجدوں کی آبادکاری وغیرہ پر صدقات کا مال خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ "فی سبیل اللہ" کے عموم میں یہ سب باتیں داخل ہیں۔"

(تفسیر رازی: جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۳)

ب: علامہ رشید رضا کے ارشاد کے مطابق "درحقیقت سبیل اللہ سے یہاں مراد مسلمانوں کے عام مفادات ہیں جن پر دین اور ریاست کے معاملات کا دارومدار ہے نہ کہ افراد کے مفادات اور افراد کا۔"

(تفسیر المنار، جلد ۱۰ صفحہ ۵۸۵)

ج: علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی میں حسب ذیل رائے کا اظہار فرمایا ہے:

"وفی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں) ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر قسم کے نیک کاموں میں شامل ہے اور حسب ضرورت کبھی اس سے مذہبی لڑائی یا سفر حج یا اور دوسرے نیک کام مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اکثر فقہائے نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے۔ مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ابھی آیت گذر چکی۔ لِلْفُقَرَآءِ

اَلَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یہاں فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں، بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے۔ اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے۔ مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے، ہو سکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خَلَقَ لَکُمۡ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا۔"

د : مولانا مودودیؒ کا ارشاد یہ ہے:

"راہ خدا کیا ہے۔ خدا کی ذات تو بے نیاز ہے۔ اس کو تو نہ تمہارا مال پہنچتا ہے۔ نہ وہ اس کا حاجت مند ہے۔ اس کی راہ بس یہی ہے کہ تم اپنی قوم کے تنگ حال لوگوں کو خوش حال بنانے کی کوشش کرو اور ایسے مفید کاموں کو ترقی دو۔ جن کا فائدہ ساری قوم کو حاصل ہوتا ہے . . . یہ مسلمانوں کی کواپریٹو سوسائٹی ہے۔ یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے۔ یہ ان کے لئے بیکاروں کا سرمایہ امانت ہے یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعہ معاش ہے۔" (اسلام اور جدید معاشی نظریات صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۸)

۸۔ میں نے یہ چند ارشادات صرف اس لئے درج کئے ہیں کہ معارف زکوٰۃ کے متعلق ان متقدر علماء کی رائے قدیم علماء کے ارشادات سے مختلف ہے۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ میں اس کے متعلق کوئی قطعی رائے دے سکوں۔ اگر عشر کی رقومات کو دیہی معیشت یا دیہی معاشرہ کی اصلاح اور تقویت کے لئے

خرچ شریعت کی رو سے جائز سمجھا گیا تو اس کے بہت دُور رس اور مفید اثرات مرتب ہوں گے۔ اگر ان خطیر رقومات کو صرف ان مستحقین کی امداد و بحالی کے لئے خرچ کرنے تک محدود کیا گیا۔ جن کا ذکر قانون اور قواعد میں درج ہے۔ تو اس سے فائدہ تو ضرور ہو گا مگر دیہی معیشت یا دیہی معاشرہ میں کوئی شاندار اثرات مرتب نہیں ہو سکیں گے۔ بالخصوص ایک بات تو میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کلام مجید میں مقروضین کی امداد کے لئے زکوٰۃ اور عشر کی رقومات صرف کرنے کی واضح اجازت ہے۔ بلکہ اسے شرعی اعتبار سے ضروری بھی سمجھا گیا ہے تو پھر قانون میں اِس کی کیوں وضاحت یا اجازت نہیں دی گئی اور قواعد میں قرض حسنہ کی کیوں ممانعت کی گئی ہے۔ سیرت النبیؐ میں علامہ سیّد سلیمان ندویؒ کا یہ ارشاد قابلِ غور ہے کہ:

> "اور تیسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب فراغت آئی، تو جماعت کے بیت المال میں اتنا سرمایہ رہتا تھا کہ زکوٰۃ کے کسی مصرف کے لئے کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ضرورتمندوں کو اسی رقم سے قرض بھی دیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ ایک ایسا مالی و اقتصادی نظام تھا کہ بلا نفع قرض دینے میں افراد کو جو تامل ہوتا ہے وہ اس جماعتی نظام کے ماتحت آسان تھا۔ اور سود کی لعنت کے بغیر داد و ستد کا راستہ کھلا ہُوا تھا۔"

۹۔ میں نے نظامِ عشر کے نفاذ سے جو دینی مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، یعنی مسلمان دو حصّوں میں منقسم ہو گئے ہیں، ایک طبقہ عُشر دینے والا اور دوسرا طبقہ عُشر نہ دینے والا تو اُس کا ذکر کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ نہ ہی اس طرف توجہ دلانے کی کوشش

کی ہے کہ عُشر کے قانون کے مطابق کاشتکار طبقہ بھی دو حصوں میں بٹ گیا ہے یعنی مسلم مالکان اراضی سے تو عُشر لازمی وصول ہو گا مگر مسلم مزارعین کے لئے عُشر اختیاری ہے۔ حکومت نے یقیناً قانون نافذ کرتے وقت اس کے مضرات یا اثرات کا تجزیہ کیا ہو گا۔ اسی طرح میں نے کاشت کاروں کے اس موقف (کہ پیداواری اخراجات ۲۵ یا ۳۳ فی صد سے حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق بھی بہت زیادہ ہیں) کو بھی زیر بحث لانے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ حکومت نے کاشت کاروں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہو گا۔

۱۰۔ اس مرحلہ پر نظام عُشر کے نفاذ کی وجہ سے دیہی معیشت پر جو اثرات مرتب ہوں گے۔ اُن کا اندازہ اپنی فہم و ادراک سے لگانے کی جسارت کرتا ہوں۔

الف: دیہی آبادی کا گذارہ بالعموم زراعت پر ہے۔ زراعت ایک ایسی ازلی و ابدی صنعت ہے جس کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ زراعت نے انسان کو تسخیر فطرت کا پہلا سبق دیا۔ چونکہ زراعت ایک انداز زیست بھی ہے۔ اس لئے ایک کاشت کار کی سوچ اور فکر کے سوتے زراعت سے پھوٹتے اور اس کے نظریات کا تانا بانا اِسی سے تیار ہوتا ہے اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ زراعت درحقیقت اللہ تعالےٰ کی شان ربوبیت اور رزاقیت ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ لہٰذا دیہی آبادی بالعموم رب جلیل کی عنایات کی متمنی رہتی ہے۔ اب نظام عُشر کے اس اقدام سے اللہ تعالیٰ کی برکتیں فصلات کی پیداوار کے اضافہ کی شکل میں انشاء اللہ نمودار ہوتی رہیں گی۔ اور اس طرح دیہی آبادی کی معیشت میں توانائی آتی رہے گی اور دینی رجحانات کو تقویت ملے گی۔

جس سے دیہی معاشرہ کی اصلاح خود بخود ہونے کی تمنا بھی ہے۔ اور امید بھی۔
اگر نظام عُشر کو صحیح طور پر چلایا جاسکا تو یہ کوشش اسلامی نظام، اسلامی ماحول، اسلامی
اقدار کے احیاء کے لئے مفید اور مؤثر ابتدا بن جائے گی۔

ب : ہمارا زرعی طبقہ چھوٹے کاشت کاروں پر مشتمل ہے۔ حکومت کے اندازہ کے مطابق ۵۰ فی صد کاشتہ رقبہ اُن مالکان اراضی کے پاس ہے جن کی کمزور مالی حالت کے پیش نظر حکومت آج کل اُن سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کرتی۔ اب چونکہ عُشر کی لازمی وصولی کے قانون کا اطلاق اُن پر بھی ہوگا۔ لہٰذا شاید یہ اُن کے لئے مالی مشکلات پیدا نہ کر دے۔ یعنی اُن کی گذران مشکل نہ ہو جاوے۔ نیز اُن کے پاس پیداواری اخراجات کے لئے سرمایہ میّسر نہ رہے۔ حکومت نے اس امر کا احساس کیا ہے۔ اور قواعد کی رو سے عُشر کی شرح کو کم رکھنے کے لئے اوسط پیداوار اور اوسط قیمت کم رکھنے کی ہدایات جاری کی ہیں۔ اگر حکومت بلاسود قرضہ ہر اس کاشت کار کو دے سکے، جو آج کل کسی قسم کا ٹیکس نہیں دیتا۔ تو اس سے اِن خدشات کا بہت حد تک ازالہ ہو جائے گا۔ مختصراً عُشر کی وصولی میں نرمی اور پیداواری اخراجات لئے بلاسود قرضہ اگر میّسر آگیا، تو زرعی معیشت ان امکانی خدشات سے محفوظ ہو جائے گی۔

ج : نظام عُشر کے نفاذ سے دیہات میں غریب اور امیر میں اچھے تعلقات کے پیدا ہو جانے کی بھی جائز طور پر اُمید کی جاسکتی ہے۔ پہلے بھی دیہی آبادی میں غریب کی امداد کا تصور یا خیال تو موجود رہتا تھا۔ اب اُس کی عملی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اور اس طرح مِل جُل کر کام کرنے کا رجحان تقویت پکڑے گا۔

اور امداد باہمی کے لئے فضا سازگار ہو جائے گی۔

د : حکومت کے اعلان کے اندازوں کے مطابق عُشر سے کروڑوں روپیہ کی آمدنی ہو گی۔ اگر یہ اندازے درست ثابت ہوئے۔ تو زکوٰۃ و عُشر کمیٹیوں کے پاس کثیر سرمایہ ہو گا۔ اس سے استفادہ کی سکیم ابھی تک شاید زیر غور ہے۔ البتہ غربا مساکین۔ یتامیٰ اور بیوگان کو اس سرمایہ سے اعانتیں دینے کا اعلان ہو چکا ہے۔ اگر اس سے مقروضین کی امداد کی گنجائش بھی پیدا کی جا سکے تو اس کا نہایت ہی مثبت اثر مترتب ہو گا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کلام مجید کی مبارک آیت نمبر ۶۰ سورۃ توبہ میں تو صریحاً اس کا حکم ہے کہ مقروضین کی امداد پر صدقات یا زکوٰۃ یا عُشر کی رقوم صرف کی جا سکتی ہیں۔ مزید براں اگر ان رقوم سے قرض حسنہ دینے کی اجازت میسر آ سکے۔ تو چھوٹے کاشت کاروں کو برائے خرید زرعی ضروریات ان رقوم سے امداد دی جائے گی جس سے زرعی پیداوار میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے اور دیہی معیشت کو نہ صرف توانائی اور فروغ میسر آ سکتا ہے۔

ہ : حکومت نے عُشر کے متعلق اجتہاد کر کے قانون زکوٰۃ و عُشر میں یہ گنجائش رکھ دی ہے کہ مزارعہ عشر کی لازمی وصولی سے مستثنیٰ ہو گا۔ اور بارانی و آبپاشی رقبوں کی پیداوار سے عُشر ۵ فی صد کے حساب سے وصول ہو گا۔ حالانکہ بارانی اراضی کی پیداوار سے ۱۰ فیصد شریعت کی رو سے واجب تھا۔ اگر حکومت عُشر کی رقوم کے متعلق یہ قانونی اجازت دے سکے کہ وہ رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ ہو سکتی ہیں۔ تو پھر دیہی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی آ سکتی ہے۔ اور ... رہائشی سہولتوں کے بہتر ہونے سے دیہات سے انخلا میں کمی آ سکتی

ہے۔آج کل یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ دیہاتی آبادی کم ہو رہی ہے۔اور شہروں کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔خیال کیا جارہا ہے کہ آئندہ بیس سال کے دوران شہروں کی آبادی تقریباً ۵۰ فیصد ہو جائے گی۔ یہ آبادی آزادی کے وقت صرف ۱۵ فیصد ہوا کرتی تھی۔ دیہات سے انخلاِ آبادی اور شہروں میں سیلابِ آبادی سے گوناگوں مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ یوں ان مسائل کو سلجھانے کی صورت نکل آئے گی، انشاء اللہ۔

و : اگر شریعت کی رو سے یہ احکامات جاری ہو سکیں کہ علاج اور تعلیم کی سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے ان رقوم سے خرچ کیا جاسکے گا۔ اور ساتھ ہی روزگار مہیا کرنے یا ان میں اضافہ کرنے یا اُن کی نوعیت بدلنے کے لئے یہ رقم خرچ کی جاسکے گی۔ تو پھر دیہات، دیہی زندگی، دیہی معیشت میں ایک خوشگوار انقلاب آجائیگا۔لیکن سبیل اللہ کے مدلول کو متعین کرنے میں شاید اتنی وسعت پیدا نہ کی جاسکے کہ ہر قسم کے مصالح اور تقریب کے کام اس میں شامل ہو جائیں بہرحال اگر شریعت کی رو سے ممکن ہو۔ جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا مودودیؒ کے ارشادات سے مترشح ہے تاہم پھر بھی رفاہ عامہ کے منتخب کاموں پر خرچ کرنے کے لیے تجدید ضروری ہے تاکہ اس سے متوقع شاندار اثرات مرتب ہو سکیں۔

۱) موجودہ صورتحال میں تو دیہاتی فقرا۔مساکین۔غربا۔معذورین۔اپاہج۔یتامٰی اور بیوگان کی امداد یا معاشی بحالی پر یہ رقوم صرف ہوں گی۔ یہ بھی ایک بیحد مفید کام ہوگا۔ اور اس سے بھی دیہی معیشت پر اچھے اثرات مرتب ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔مگر یہ ضروری ہے کہ عشر کی وجہ سے چھوٹے کاشت کاروں پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ پڑ جائے۔حکومت اس امر کا خاص اہتمام کر رہی ہے اور قواعد کی رُو سے اوسط پیداوار و اوسط قیمت کم رکھنے

کی ہدایات جاری ہو چکی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان احکامات کی عملی صورت کیا بنتی ہے کیونکہ اسی پر عشر کی اسلامی اسکیم کی کامیابی کا انحصار ہے۔

۱۲۔ یہ تو واضح ہے کہ عشر کے نظام کے نفاذ سے دیہاتیوں کے درمیان ہمدردی اور ایک دوسرے کی امداد و معاونت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ نماز حقوق الٰہی میں سے ہے۔ اور عُشر حقوق عباد کی ایک شکل پیش کرتا ہے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ارتباط کا اہتمام عُشر کے نظام سے ہونے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ عُشر سے غریبوں کی چارہ گری، مسکینوں کی دستگیری، یتیموں کی خبرگیری، مقروضین کی گلو خلاصی، بیواؤں کی امداد تو واضح طور پر ہو جائے گی۔ یعنی اس سے اسلام کے مادی نظام کا احیاء لازماً ہو جائیگا امید ہے کہ روحانی، قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک و صاف ہونے کی ابتداء بھی اسی سے ہو جائیگی کیونکہ روحانی اور اخلاقی فائدوں کے ساتھ اقتصادی حیثیت کے دنیاوی فائدے بھی میسّر آ سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ:

(الف: عشر کی اسلامی سکیم پر کس طرح عملدرآمد ہوتا ہے؟

ب: کیا عشر کے نفاذ سے پیداواری اخراجات میں ناقابلِ برداشت اضافہ تو نہیں ہو جاتا؟

ج: کیا زرعی پیداوار کو بڑھانے میں عشر کی سکیم پر عملدرآمد کوئی رکاوٹ تو پیدا نہیں کرتا اور

د: عُشر کی رقوم کا کس طرح استعمال کیا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ عُشر کی سکیم کامیاب کریں۔ آمین